نیم ڈاکٹر حیدر سندھی

اباب

سندھی زبان کی اصل

انیسویں صدی کے پہلے نصف میں جب سندھ پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے بھی
م سندھی تہذیب کی پرورش کرنے والی سندھی زبان کو، بر صغیر کی تمام زبانوں سے زیادہ، زندگی
بھرپور اور توانا پایا۔ انھیں سندھی میں اس وقت کے ہندوستان کی زبانوں کے مقابلے میں ''سب
زیادہ دینی یا دنیاوی علوم ملے، جو اس کے اپنے قدیم اور تخلیقی تھے۔ نیز اس کے پاس عربی اور
ں ذخیرہ علوم کے تراجم پر مشتمل کافی سرمایہ بھی موجود تھا۔''(۱) مزید جائزہ لینے سے انھیں،
ھی میں تیزی سے ترقی کرنے اور حالات کے مطابق، نئے معاشرے کی تشکیل میں معاون و مؤثر
، تخلیق کی صلاحیتوں کا بھی علم ہوا جس کا ذکر وہ گاہے بگاہے کرتے رہے۔

سندھی، اگرچہ ازل سے اپنے اندر اپنی اور اپنے معاشرے کی ترقی کی خصوصیات کی حامل
ہے، لیکن نہ معلوم کس وجہ سے اسے ہر دور میں سرکاری سطحوں پر تحقیقی، تعلیمی، علمی اور ادبی
وں سمیت ہر پاسے نظر انداز کیا جاتا رہا۔ اس بات کو ان مستشرقین نے بھی محسوس کیا، جن کو
، سندھی معاشرے اور وادی سندھ کا کام کرنے کا موقع ملا۔

دور جدید کی عالمی شہرت یافتہ جرمن سکالر ڈاکٹر این میری شمل نے بھی مذکورہ عدم دلچسپی کا
ـتے ہوئے لکھا ہے کہ ''سندھی زبان، اپنے دلچسپ گرائمر اور وسیع علمی و ادبی سرمائے کی مالک
، کے باوجود اسلامی علوم کے دلدادہ یا اس شعبے میں ادب کا کھوج لگانے والے (Islamists) یا
سندھ کے متعلق علوم و فنون کے ماہرین (Indologists) کی طرف سے ہمیشہ بے توجہی کا شکار
ہے۔''(۲)

ڈاکٹر شمل سے پہلے کے ایک اور جرمن دانشور ڈاکٹر ٹرومپ (Trump) (جنھوں نے سندھی زبان کی گرامر لکھی اور شاہ عبداللطیف کے مجموعہ کلام "شاہ جو رسالو" کو عربی الف ب میں موجود سندھی رسم الخط کے مطابق جرمنی سے شائع کرایا تھا) نے بھی لکھا ہے کہ "ہندوستان کی موجودہ زبانوں (جن کا منبع بھی سنسکرت ہے) میں سے کوئی بھی زبان سیاسی مفادات کے پیش نظر اس قدر غفلت کا شکار نہیں بنی جتنا سندھی کو بنایا گیا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ہندوستان کی مقامی زبانوں میں سب سے زیادہ نفرت و حقارت کا حدف بنتی رہی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ پراکرت زبانوں کے قدیم گرائمر نویسوں نے بھی کبھی بھول کر یہ تک نہیں سوچا کہ سندھی بھی کسی ذکر کے قابل ہے۔" (۳)

سنسکرت جس کا ڈاکٹر ٹرومپ نے ذکر کیا ہے، وہ آریاؤں کی زبان تھی اور برصغیر کی لسانی تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے۔ اس خطہ زمین پر بولی جانے والی زبانوں میں سے اکثر اس کی شاخیں ہیں اس لیے زبانوں کی گروہ بندی میں بھی اس کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ سنسکرت آریاؤں کی زبان تھی اور سنسکرت کا لغوی مطلب ہے "تراشیدہ، شستہ یا صاف کی ہوئی۔" برصغیر کی زبانوں کا ذکر کرتے ہوئے دوسرا لفظ پراکرت کا ملتا ہے جو کہ مقامی زبانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پراکرت کا لغوی مطلب ہے "خودرو، فطری اور ناتراشیدہ۔"

مذکورہ لغوی مفاہیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ برصغیر میں آریاؤں کی آمد سے قبل جو زبانیں رائج تھیں، انہیں "پراکرت" اور آیاؤں کی زبان کو سنسکرت کہا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہاں غیر آریائی زبانیں بولی جاتی تھیں، لیکن جب آریا آئے تو سنسکرت کا عام استعمال ہوا جو کہ بعد میں آریائی زبانوں کے گروہ کا منبع بنی۔

لسانیات کی گروہ بندی اور زبانوں پر تحقیق کا رواج بہت بعد اور اس وقت کا ہے جب علوم مربوط ہونے کی وجہ سے بہت جلد ترقی کر کے سائنس بنتے گئے۔ علم لسانیات، زبانوں کی اصل نسل، گروہ بندی، زبانوں کی ساخت، تقابل اور دیگر رخوں کا بعد میں تحقیق، تجربات اور تجزیوں کے ذریعے پتہ چلایا گیا۔ جب سے اس طرح کے علوم سامنے آئے ہیں تب سے سندھی زبان کے بارے میں تحقیقی

کام کا آغاز ہوا اور ماہرین کی سندھی کے متعلق دو آراء سامنے آئیں۔

ایک رائے کے مطابق سندھی، ہندوستانی زبانوں کا ان کوئی غیر ترقی یافتہ نمونہ ہے۔" جبکہ دوسری رائے اس کے برعکس تھی، جس کے مطابق "گرائمر کے اعتبار سے سندھی بہت ہی مایہ دار اور مالدار ہے اور یہ سنسکرت کی کوئی قدیم شاخم ہے جو کہ ترقی کر کے زبان بنی ہے۔" (۴)

جہاں تک سندھی کا سنسکرت کی شاخ ہونے کا تعلق ہے تو ڈاکٹر ٹرومپ اور دیگر ماہرین کے افکار سے علاوہ سندھی مؤرخ و محقق بھرومل (Bherumal) نے بھی اپنے عہد میں مروجہ تحقیق کے اصولوں اور لغوی تقابل کے طریقہ کار کو سامنے رکھ کر اس طرح کا خیالی خلاصہ پیش کیا کہ "سندھی، سنسکرت کی بیٹی ہے۔" (۵)

ماہرین کو سندھی اور سنسکرت دونوں زبانوں کے درمیان "ماں بیٹی" کی طرح کا اس لیے قریبی رشتہ نظر آیا کہ انھیں ان دونوں کی گرائمری، لغوی اور صوتی خصوصیات میں یکسانیت دیکھنے میں آئی۔ دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ علم لسانات کو اس وقت تک سائنسی علوم کا درجہ حاصل نہیں تھا اور اس کی تحقیق محض تقابل تک ہی محدود تھی۔ اس لیے مشترکہ لغوی ذخیرے اور چند لسانی خوبیوں کی موجودگی کے باعث یہ دیکھے بغیر کہ کون سی زبان عمر میں کس سے کتنی بڑی ہے، جس کا چھوٹی پر اثر ہوا اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ زبانیں مدتوں تک اکٹھا رہنے کی وجہ سے بعض خصوصیات کا باہمی تبادلہ کرتی ہیں اور اس طرح کا اشتراک دیگر علاقوں کی زبانوں میں بھی ملتا ہے جسے دیکھ کر ماہرین نے "ماں بیٹی" کا مفروضہ بنالیا۔ ورنہ "مذکورہ رائے کو الٹ کر سنسکرت کو سندھی کی بیٹی بھی بنایا جاسکتا تھا۔" (۶)

دراصل دونوں زبانوں میں بعض مشترکہ خوبیوں کی وجہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کے مطابق آریاؤں کی وادی سندھ میں آمد کا پتہ چلتا ہے۔ دراصل آریا، اس خطے میں ایک ہی گروہ یا قبیلے کے طور پر یا ایک ہی مرتبہ نہیں آئے بلکہ یہ الگ الگ قبیلوں اور گروہوں کی شکل میں اور مختلف ادوار میں آتے رہے۔ وادی سندھ کی طرح ان کے چند گروہ روس، جرمنی، پولینڈ، وسطی ایشیاء اور ایران وغیرہ کی طرف بھی نکل گئے تھے۔ ان تمام ممالک میں پہلے سے بولی جانے والی زبانوں اور ان آریائی گروہوں کی

زبان کے ملاپ سے (وقت گذرنے کے ساتھ) زبانوں کا رنگ و روپ تبدیل ہوتا رہا۔ چنانچہ کسی ملک میں بولی جانے والی آریائی زبان خود بھی دوسرے ملک میں پہنچنے والی آریائی زبان سے مختلف نظر آنے لگی۔ یہ اختلاف اتنا گہرا تھا کہ ایک گروہ کے لیے دوسرا گروہ لسانی اور ثقافتی اعتبار سے اجنبی بن گیا۔(۷)

ایسی صورت حال ان آریائی گروہوں نے بھی پیدا کی، جو مختلف ادوار میں آکر وادی سندھ میں آباد ہوتے رہے۔ جہاں ان کی زبان مقامی طور پر بولی جانے والی پراکرتوں میں ڈھلتی اور انھیں ڈھالتی رہی۔ بعد ازاں ماہرین جب سندھی کا حسب نسب معلوم کرنا چاہا تو زیادہ توجہ تقابلی جائزے پر دی۔ جہاں انھیں مشترکہ رنگ نظر آئے وہاں ایک ہی طرح کا فیصلہ صادر کر دیا۔ لہٰذا جن محققین کو سندھی، کشمیری، پنجابی اور ہندی میں سنسکرت کی خوبیاں نظر آئیں، انھوں نے یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ "یہ سب سنسکرت سے نکلنے والی زبانیں ہیں۔"(۸)

اس طرح کی مفروضے کوئی پہلی بار نہیں قائم ہوئے بلکہ اس سے پہلے بھی بعض ماہرین نے یونانی، ژند، لاطینی، اطالوی اور اسپینی کا انھی بنیادوں پر تجزیہ کیا اور اسی طرح انھیں سنسکرت سے جنم لینے والی شاخیں ثابت کرنے کی کوشش کی۔(۹)

جہاں تک سندھی اور سنسکرت کے درمیان مذکورہ "ماں بیٹی" کے رشتے کا تعلق ہے، اس کے لیے یہ جواب منطقی معلوم ہوتا ہے کہ "اگر سندھی، سنسکرت کے الفاظ کی مرہون منت ہے تو، سنسکرت اس سے کہیں زیادہ سندھی کے مقروض ہے۔ لہٰذا جس بنیاد پر سندھی کو اس کی بیٹی بنایا گیا ہے، اسی بنیاد پر سنسکرت کو سندھی کی بیٹی بھی بنایا جا سکتا ہے۔"(۱۰)

بالفاظ دیگر زبانوں کی اصل نسل معلوم کرنے کے لیے محض ان کے مشترکہ لغوی ذخیرے کا تقابل ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے آپس کے تعلقات، گروہ بندی کی وجوہات اور کئی دوسرے رخوں کا اس طرح کا جائزہ بھی لینا چاہیے جس طرح سائنس کے اصول اور کلیے ہوتے ہیں۔ کیونکہ لسانیات اب سماجیات کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ باقاعدہ ایک سائنس بھی ہے۔

مختصراً یہ کہنا چاہیے کہ لسانیات کوئی ایک علم نہیں بلکہ یہ ایسے مختلف علوم کا مرکب یا مجموعہ ہے، جن سے وہ تمام علوم وابستہ ہیں جن کا تعلق براہ راست بنی نوع انسان اور انسانی معاشروں سے ہے۔ چنانچہ جب کسی زبان کے بارے میں معلوم کرنا ہوتا ہے (تو اگرچہ وہ زبان خود بھی اپنی ساخت کے اندر ذخیرہ علم رکھتی ہے تاہم) اختصار سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان کے درج ذیل پہلوؤں کا مطالعہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے :

مارفالوجی :	(Morpnology)	الفاظ کی ترتیب وساخت کا علم
فونولوجی :	(Phonology)	علم صوتیات
فلالوجی :	(Philology)	علم اللسان
سینٹیکس :	(Syntax)	علم نحو

اس کے علاوہ زبان درج ذیل علوم سے بھی وابستہ ہوتی ہے۔ سماجیات Socilogy، حیاتیات Biology، نفسیات Psychology، سماجی نفسیات Social Psychology، بشریات Anthropology، عمرانی علوم Ethnology، تاریخ Hostory، طبیعی جغرافیہ Physical Geography، اقتصادیات Economics، مذہب Religion اور آثار قدیمہ Archaeology وغیرہ۔

غرضیکہ زبانوں کے جس پہلو کا مطالعہ درکار ہو، اس کے ایک رخ کا مطالعہ حتمی نتائج کے لیے کافی نہیں ہوتا، بلکہ ٹھوس نتیجہ حاصل کرنے کے لیے، دیگر شعبوں کا جائزہ بھی لینا پڑے گا۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آریاؤں کی وادی سندھ میں آمد ۲۳۰۰ق م تا ۱۵۰۰ق م ہے۔ ان دنوں وادی سندھ میں نہ صرف دریائے سندھ کے دونوں کناروں کے وسیع علاقوں میں بڑی انسانی آبادی موجود تھی، بلکہ وہ لوگ اس قدر مہذب و متمدن تھے کہ موہن جو درو، ہڑپہ، حسن ڈھیری، مہر گڑھ، کوٹ ڈجی اور دیگر کئی مقامات پر پختہ شہری زندگی گزارتے تھے اور شہری زندگی کے ان مراکز کا بیرونی دنیا سے تجارتی، کاروباری، ثقافتی اور سماجی تعلق بھی قائم تھا۔ عقل سلیم

کہتی ہے کہ جو معاشرہ اس قدر ترقی یافتہ تھا کہ وادی سندھ کی عظیم، قدیم اور عالمی شہرت کی حا
تہذیب کو پروان چڑھا سکتا تھا، اس کی زبان اور ثقافت بھی ما یہ دار اور مالدار تھی۔ آریاؤں نے مح
عداوتوں اور دشمنیوں کی بنا پر انہیں ان آریا (غیر مہذب) دسیو (غلام)، چھوٹے، کالے، نیچ، غلیظ
اس طرح کے کئے اور نفرت انگیز اور حقات آمیز ناموں سے پکارا اور ان کی زبان کو پراکرت یعنی خو
اور جنگلی اور اپنی زبان کو سنسکرت یعنی پاک، صاف، مہذب، تراشیدہ اور شستہ وغیرہ کہا۔

الغرض، آریاؤں نے یہاں آباد غیر آریائی لوگوں یا ان کی زبان، سب کو غیر مہذب گرد
لیکن بعد میں انہیں جب "وید" تحریر کرنے پڑے تو انھیں خود اپنی زبان اتنی ادھوری اور نامکمل
آئی کہ اس سے مفاہیم اور مطالیب واضح نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ مضامین مکمل کرنے اور مفاہیم وا
کرنے کے لیے انھیں اس پراکرت کے ذخیرہ الفاظ اور فنی خوبیوں کو استعمال کرنا پڑا جو اپنے غیر آر
معاشرہ میں مدتوں سے مذہبی اور معاشرتی ضروریات کی تکمیل کرتی، تاریخ کے تسلسل کو برقرار ر
اور روزمرہ کے معمولات زندگی میں بھرپور کردار ادا کر رہی تھی۔

جو ماہرین، سندھی اور سنسکرت کے درمیان مذکورہ بالا مفروضہ قائم کر رہے تھے، وہ
دونوں کے درمیان رشتہ طے کرتے وقت محض ان کی قدامت اور ان کے کرداروں کو زیر غور لا۔
آریاؤں کی یہاں آمد سے پہلے رائج غیر آریائی یا پراکرت کی ہمہ گیری اور معاشرتی وسعت کے سا
ساتھ اس کی صوتی، لسانی اور گرائمری خوبیوں اور صلاحیتوں کا سنسکرت سے موازنہ کرتے تو
انھیں اپنی پہلی رائے میں تبدیلی کرنی پڑتی۔

ان غیر لوگوں کی زبان، پراکرت نہ صرف ان کی اپنی اور فطری تھی، بلکہ وہ اہل سندھ
مکمل مفاہیم ادا کرنے والی زبان تھی جبکہ آریاؤں نے تراش خراش اور صفائی کے بعد جو زبان بنائی ا
سنسکرت کہا اور اسی میں وید لکھنا چاہے۔ لہٰذا کہنا یہ چاہیے کہ وادی سندھ کی یہ پراکرت ہی تھی، ج
سے سنسکرت کا وجود اسے پاک و صاف کرنے کے بعد ہوا۔

گریرسن، جنھوں نے برصغیر کی بہت ساری زبانوں پر بنیادی اہمیت کا کام کیا، وہ بھی یہ

رنے کے لیے تیار نہیں کہ "سنسکرت کسی پراکرت کو جنم دینے کے قابل تھی۔ اسے تو عوامی بول
ال کی حیثیت ہی حاصل نہیں تھی۔"(۱۱)

ماہر لسانیات فشل (Pichell) جنھوں نے سنسکرت اور پراکرتوں کا ہمہ رخ تقابل کیا وہ بھی
خر میں اس نتیجے پر پہنچے کہ "سنسکرت کسی پراکرت کی بنیاد نہیں۔ دراصل پراکرت کی بنیاد وہ عوامی بول
ل کی زبان ہوگی جسے عوام اپنے روزمرہ کاروبار حیات میں استعمال کرتے ہوں گے۔"............ فشل
رید لکھتے ہیں کہ "سنسکرت کسی بھی دور میں برصغیر یا اس کے کسی حصے کی عوامی بول چال کی زبان رہی
 نہیں۔"(۱۲) اس کے برعکس "پراکرتیں جب عوامی بول چال کے مدارج میں داخل تھیں، تو یہ
 کی ابتدائی (Primary) حیثیت تھی، لیکن ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد ثانوی (-Secon
dary) دور میں داخل ہوئیں اور یہی سنسکرت کے وجود میں آنے کا دور ہو سکتا ہے۔"(۱۳)

خود سنسکرت کے ماہر بھٹاچاریہ (Bhutta Charyya) نے بھی مذکورہ بحث کو سمیٹتے
ئے تحریر کیا ہے کہ 'پراکرت یا سنسکرت میں سے کون سی اول اور کون سی بعد کی ہے۔ اس کا مختصراً
اب یہ ہے کہ : شستہ یا پاک صاف بنائی گئی سنسکرت کس طرح فطری یا اصل پراکرت کو جنم دے
تی تھی!"

نیل کنت ایک اور ہندوستانی زبانوں کے ماہر، تاریخ کے حوالے سے لکھے گئے، اپنے تحقیقی
الے میں رقم طراز ہیں کہ "اگرچہ سنسکرت کو برہموں نے درسگاہوں میں ذریعہ تعلیم بنایا تھا، لیکن
، اودھیچہ علاقے میں آزاد لوگوں کی کبھی بھی عوامی زبان نہیں بنی، جہاں سنسکرت کے جگ مشہور
ائمر نویس پانی نے جنم لیا تھا۔"(۱۴)

اودھیچہ کا محل وقوع پہلے ہی گریئرسن بیان کر چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "دریائے سندھ کے
روں پر رائج اودھیچہ لہجے نے سنسکرت کا روپ دھار لیا ہے۔"(۱۵)

اودھیچہ دراصل، ایرانی الاصل پشتو اور بلوچی زبانوں سے ملحقہ دریائے سندھ کے دونوں
روں پر آباد لوگوں کی زبان تھی، جہاں اب ہندکو اور لھندی رائج ہیں۔ اس خطے کی زبان سے سنسکرت

کو وجود ملا۔ سنسکرت کے ماہر چیٹر جی کا بھی یہی خیال ہے جس کا وہ، اس طرح اظہار کرتے ہیں۔ "اد
لہجے نے سنسکرت کو جنم دیا، بعد میں اس سنسکرت کی مدھیہ دیش، پورب اور دکھن کے برہمنوں
بڑے پیار سے پرورش کی۔"(۱۶)

ان تمام مباحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پراکرت کے ادھیچہ لہجے کی تراش خراش ہوئی،
سنسکرت کا نام دیا گیا۔ پانی کی جنم بھومی بھی یہی خطۂ زمین تھا جہاں ادھیچہ مروج تھی۔ اس ضمن
ایک برہمن کے حوالے سے چیٹر جی نے لکھا ہے کہ "لوگ بڑے اختصار سے ادھیچہ بولتے تھے۔ اد
علاقے کے علماء اور اساتذہ کے پاس دور دور سے لوگ آداب گفتگو سیکھنے کے لیے آتے تھے۔ جب کو
شخص حصول علم کے بعد ادھیچہ سے اپنے علاقے میں آتا تھا، تو آس پاس کے لوگ چل کر اس کی گف
سننے کے لیے آتے تھے۔"(۱۷)

چنانچہ دلائل اور تحقیق ثابت کرتی ہے کہ ادھیچہ اسی خطۂ زمین کو کہا جاتا تھا جہاں وادئ سن
کے قدیم تہذیبی، تجارتی اور اہم کاروباری مرکز "موہن جودڑو" کے بعد عالمی سطح پر مشہور ہونے
گندھارا تہذیب کی نشوونما ہوئی۔ یہ بدھ مت کا زمانہ تھا جب وادی سندھ میں موہن جودڑو کے
تکس شیلا (جسے اب ٹیکسلا کہا جاتا ہے) کے مقام پر اپنے عہد ۵۰۰ ق م میں دنیا کی بڑی در
(یونیورسٹی) قائم ہوئی۔ یہ علاقہ ان دنوں بھی سلطنت سندھ کا حصہ تھا جسے بودھی علم وادب کا بہت
مرکز بنایا گیا تھا۔

تکس شلا، ایک اقامتی ادارہ تھا جہاں تمام برصغیر، وسطی ایشیا اور ایران وغیرہ سے لوگ
حصول علم کے لیے آکر قیام کرتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے ودوان موجود تھے جو علم کے پیاسوں
علمی پیاس بجھاتے تھے۔ دنیا کے اولین گرائمر نویس براہمن پانینی کا تعلق بھی زیر تذکرہ علاقے
تھا۔ جہاں یہ خود اور اس کے جد امجد ادھیچہ لہجے میں بات کرتے تھے۔ اسی ادھیچہ کو پانینی نے سدھ
سنوار اور اسے ترقی دی جسے براہمنوں نے سنسکرت یعنی "پاک وصاف کی ہوئی زبان" کا نام دیا۔ انہ
نے ہی سنسکرت کی گرائمر لکھی، جس سے سنسکرت کو ایک زبان کی حیثیت حاصل ہوئی اور وہ براہ

حفاظت میں رہنے لگی، جنھوں نے اسے دھرمی تعلیم کا ذریعہ بنائے رکھا۔(۱۸)

بدھ مت اور براہموں کی سندھ پہ مدتوں تک حکمرانی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ ماہرین کو ھی، لھندا اور سرائیکی میں سنسکرت کا بہت گہرا رنگ نظر آنے لگا اور اس رنگ کو دیکھ کر انھوں نے ھی اور سنسکرت کے درمیان مفروضے تراشے ورنہ اس بحث سے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں کی رت ہی سنسکرت کی بنیاد بنی ہے۔

دنیا میں سنسکرت کے مانے ہوئے ماہر، بھٹاچاریہ بھی، بڑے اعتماد کے ساتھ دعویٰ کرتے کہ "پراکرت سے ہی سنسکرت کو جنم ملا تھا....." آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ "پراکرت عوامی زبان ، جو رفتہ رفتہ ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے عوام کے ہر احساس، امنگ اور جذبے کے اظہار کا بننے کے لائق ہوئی۔"(۱۹) للہٰذا اس غیر آریائی پراکرت اور آریائی سنسکرت، دونوں کا منبع ایک بر صغیر میں سندھی سمیت جتنی بھی زبانیں رائج ہیں اور ان پر سنسکرت کا گوڑھا رنگ نظر آرہا ہے ں بیٹی" کی وجہ سے نہیں بلکہ، مدتوں تک اکٹھا رہنے کی وجہ سے، (رگوید کی بولی وہی ہے جو قدیم ت سندھ کے علاقے دوآبہ میں رائج تھی جہاں آج دیرہ جاتی، لھندی، ہندکو اور سرائیکی بولی جاتی ریہیہ لسانی پٹی آگے جا کر موجودہ سندھی کی صورت اختیار کرتی ہے۔ سندھ اور پنجاب کی ہ حدبندی تو انگریزوں سے ذرا پہلے مغلوں نے آکر کی تھی جسے بعد میں انگریزوں نے بھی انتظامی بلانے کی خاطر بر قرار رکھا، ورنہ یہ ایک ہی ملک تھا، جسے سلطنت سندھ کہا جاتا تھا۔"(۲۰)

اس ملک میں آریاؤں سے پہلے بھی لوگ بستے تھے، جیسا کہ دو قسم کے زبانوں "پراکرت اور ت" کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو آریا اور غیر آریا گروہوں کا نام دیا گیا ہے۔ غیر کے متعلق ایک سندھی محقق مولائی شیدائی نے دعویٰ کیا ہے کہ "وہ دراوڑ تھے۔"(۲۱) یورپی ن رزلی (Risly) اور تھرسٹن (Thurston) نے نہ صرف اس دعوے کی تصدیق کی بلکہ، نے تو ان قدیم دراوڑوں کا حلیہ اور ناک نقشہ بھی بیان کیا ہے۔(۲۲) پاکستان کے محقق اور شید اختر ندوی نے بھی مذکورہ رائے کے حامی ہوتے ہوئے دراوڑوں کے حسب نسب اور

اصل وطن کا تعین کیا ہے، بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ : ''یہاں کے باشندے جنھوں نے اپنے پیچھے اپنے وجود کے واضح آثار چھوڑے ہیں وہ دراوڑ تھے۔'' محقق ''کالڈویل کے نزدیک دراوڑ، تورانی الاصل ہیں اور ان کا گھر وسطی ایشیا تھا۔'' (۲۳)

جغرافیہ دانوں نے ان قبائل کی وادی سندھ میں آمد کا کھوج لگایا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ''تورانی الاصل دراوڑ موجودہ بلوچستان میں اور درۂ بولان کے راستے وادی سندھ میں داخل ہوئے۔'' انھی نتائج کے پیش نظر لسانیات کے ماہرین نے دراوڑی اور وسطی ایشیا کی بعض دیگر زبانوں کا مختلف زاویوں سے تجزیہ اور تقابل کیا۔ کالڈویل کے نزدیک وسطی ایشیا کے قدیم قبائل ''ساکا کی زبان اور دراوڑی دونوں میں صرفی اور نحوی مماثلت ہے۔'' اس ضمن میں رشید اختر ندوی کا خیال ہے کہ ''ساکا (جنھیں سینتھین (Scynthian) اور چھالدی (Chaldee) بھی کہا گیا ہے اور اب انھیں سیتھی کہا جاتا ہے۔) اصل میں ایران میں آباد تھے جہاں سے یہ سیستان میں آئے اور بعد میں موجودہ بلوچستان میں آکر آباد ہوئے۔ (۲۴)

کالڈویل اور ایچ جی ولز سے اتفاق کرتے ہوئے ہولڈچ کہتا ہے کہ ''ماضی بعید میں دراوڑ ایشیا سے بلوچستان کے راستے وادی سندھ میں داخل ہوئے اور ان کا راستہ وہی تھا جو لسبیلہ سے شروع ہو کر مغربی ایران تک آتا ہے۔'' (۲۵) ان کے نزدیک بھی ''دراوڑ وہی زبان بولتے تھے جو بلوچستان کا مشہور قبیلہ ''بروہی'' بولتا ہے۔'' (۲۶) میجر موکلر (Mockler) نے اس سلسلہ میں کافی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ایک جگہ پر کہتے ہیں کہ ''براہویوں کی اپنی زبان ہے جسے کردی (Kurdee) یا کرد گالی (Kurd Galee) کہا جاتا ہے جو کہ ممکن ہے کہ زبانوں کے سیتھین گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔'' (۲۷)

نہ صرف براہوی بلکہ پاکستان کی تمام زبانوں میں دراوڑی کا اس قدر ملاپ ہے کہ مسٹر برو (Burrow) اور مسٹر ایمینو (Emeneau) کی ترتیب دی ہوئی اٹمولوجیکل ڈکشنری جس میں اندازاً ایک ہزار دراوڑی الفاظ جمع کیے گئے ہیں ان کا تقریباً تیس فیصد آج بھی پاکستانی زبانوں میں مروج ہے۔

اس بنا پر ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ "پاکستانی زبانوں کی جڑیں دراوڑی میں پیوستہ ہیں۔" (۲۸) براہوی اور سندھی کا ایک دوسرے سے تعلق بھی بہت پرانا ہے۔ دونوں زبانوں کے درمیان دوران تقابل، کئی خصوصیات میں ماہرین کو اشتراک نظر آیا ہے۔ ایسا اشتراک اگرچہ گرائمر کی باریکیوں کی صورت میں اتنا نظر نہیں آتا، لیکن الفاظ، جملوں کی ادائیگی و ترتیب اور الفاظ کو اپنانے کا طریقہ دونوں کے پاس سانجھا ہے۔ ممکن ہے کہ تاریخی طور پر مدتوں تک ایک ہی خطے میں رہنے کے باعث دونوں نے یہ خصوصیات اپنالی ہوں۔

براہوی اور "اوڈکی" دونوں زبانیں پاکستان میں دراوڑ الاصل ہیں، جبکہ تامل، تلیگو، ملایا اور کناڑی اسی اصل کی ہیں جو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مروج ہیں۔ ماہرین نے سندھی اور تلیگو کا تقابل کیا ہے۔ انھیں تلیگو میں سندھی کی طرح ہر لفظ آخر میں متحرک ملا ہے۔ اگر کوئی لفظ متحرک نہیں ملا تو اس پر بھی انھیں پیش (ُ) کا گمان ہوا ہے۔

ماہرین کو تلیگو کے علاوہ تامل کا سندھی کے ساتھ تقابل کرتے وقت تامل میں لفظ کا آخری حرف لازماً متحرک ملا، اگر کوئی لفظ موسیقی دار نہیں تھععا تو اسے بھی تلیگو کی طرح پیش (ُ) لگا کر متحرک بنانے کا رواج عام نظر آیا۔ اس خصوصیت کی بنا پر دراوڑی زبانوں کے ماہر بشپ کالڈویل اس نتیجے پر پہنچے کہ "دراوڑی زبانوں کے تلفظ میں آخری حرکت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح سندھی میں ہے۔" (۲۹)

ایسے اثرات کی موجودگی کو سامنے رکھ کر ماہرین کے ایک گروپ نے دعویٰ کیا کہ "سندھی کی اصل نسل دراوڑی ہے۔" (۳۰) تو دوسرے گروپ نے "سندھی اور دراوڑی زبانوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق" کہنے پر اکتفا کیا۔ (۳۱)

پراکرتوں کے گرائمر پر کام کرتے ہوئے ماہرین کے ایک گروپ کو چار قسم کا ذخیرہ الفاظ ملا: سنسکرتی الفاظ، سنسکرت کی طرح کی لغات، بدیشی ممالک میں رائج زبانوں کے الفاظ اور دیسی الفاظ کا ذخیرہ۔ (۳۲) دیسی الفاظ دیکھ کر نئی کھوج لگائی گئی اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ "الفاظ کا ایسا ذخیرہ بھی

دستیاب ہوا ہے جسے قدیم مقامی زبان کا سرمایہ کہا جاسکتا ہے، جو آریاؤں کی آمد سے پہلے سندھ میں بولی جاتی تھی۔ (۳۳) یہی مقامی زبان کا لغوی سرمایہ جان بیمز کو بھی دستیاب ہوا اور انھوں نے بھی اسے "دیسی" (Indigenious) کہا ہے۔ یہ اتنا وسیع ہے کہ "اگر گفتگو میں محض مذکورہ لغوی سرمائے کو استعمال کیا جائے تو بھی مکمل مکالمے ادا کیے جاسکتے ہیں۔" (۳۴) جارج شرٹ (George Shirts) ایسے سرمائے کو اس غیر آریائی زبان سے منسوب کرتے ہیں جو سنسکرت سے پہلے وادی سندھ میں مروج تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ "اگر سندھی کے دامن میں سے سنسکرت، فارسی اور عربی کا تمام لغوی ذخیرہ نکال دیا جائے تو بھی اس کے پاس بہت بڑا سرمایہ بچ جائے گا۔" (۳۵)

پانی کو سنسکرت کے قواعد مرتب کرتے وقت چار پراکرتیں نظر آئی تھیں۔ ماگدھی، شور سینی، مھاراسٹری اور پشاچی۔ لیکن پانچویں ان سب سے زیادہ توانا، طاقتور اور زندگی سے بھرپور پراکرت اسی خطے میں مروج تھی، وہ ان کی آنکھوں سے بھی اوجھل رہی، وہ تھی "اپ بھرنش" (۳۶)

محققین کو یقین ہے کہ "اپ بھرنس کا تعلق زبانوں کے اس گروہ سے تھا جو آریاؤں سے پہلے وادیٔ سندھ میں آباد لوگوں میں رائج تھیں۔ اس گروہ کو بعد میں یورپی ماہرین نے "انڈک" (Indic) اور مستشرق علماء نے "سندو" یا "سندوی" کا نام دیا ہے۔

علماء کا ایک اور گروپ، سندھی کو غیر آریائی تسلیم کرتے ہوئے اس کا تقابل قدیم تاریخ کے تناظر میں ان زبانوں سے کرتا رہا ہے، جنھیں لسانات کی گروہ بندی کرتے وقت زبانوں کا "سامی گروپ" کہا گیا اور اس میں عربی اور سریانی وغیرہ شامل ہیں۔

سامی گروپ کی چند زبانیں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے کناروں پر قدیم عہد میں آباد بابلی اور سمیری اقوام بولتی تھیں۔ ان اقوام کے دریائے سندھ کے کناروں پر مقیم لوگوں سے بڑی مدتوں سے مذہبی، تمدنی اور تجارتی تعلقات چلے آرہے تھے۔ اس بات کے شواہد نہ صرف تاریخوں بلکہ طرفین کے آثار قدیمہ کے مشاہدے، تجزیے اور تقابل سے بھی ملے ہیں۔

اس وقت یہ بحث ضروری نہیں کہ بابلی، سمیری اور سندھو تہذیبیں عمر میں ایک دوسرے

سے کتنی بڑی یا چھوٹی ہیں، بلکہ یہ بتانا ضروری ہے کہ مدتوں تک دونوں تہذیبوں میں گہری مماثلت رہی ہے۔ تحقیق نے یہ تک ثابت کیا ہے کہ ''سندھ، موسیپوٹیمیا: (عراق) اور بابل کے لوگ سمندر اور خشکی کے ذریعے براستہ ایران وسیستان آتے جاتے اور باہمی تجارتی تعلقات برقرار رکھیہوئے تھے۔''(۳۷)

سندھ اور ان ممالک کے درمیان وسیع پیمانے پر آمد ورفت، تجارتی تعلقات اور تمدنی رشتوں کے پیش نظر لسانیات کے باہمی اثرات کی گہرائی تک تلاش کی گئی، جس سے ماہرین کو، اس ضمن میں بڑی حد تک کامیابی ملی۔ اس کامیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان علماء نے سندھی کو ''سامی زبانوں'' کی صف میں کھڑا کیا۔ محققین کے ایسے گروپ میں عربی کے زیرک علماء، سندھی کے محقق ومؤرخ اور آثار قدیمہ کے پارکھ شامل تھے، جنھوں نے فیصلہ دیا کہ ''سندھی اور عربی، دونوں ایک دوسرے کی بہنیں ہیں۔''(۳۸)

روسی اور فنس ماہرین لسانیات نے بھی سندھی تمدن کے قدیم مرکزی شہر موہن جودڑو سے حاصل اشیاء اور مہروں پر کندہ عبارت کا سائنسی تجربوں اور کمپیوٹر کی مدد سے مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے آریائی اور دراوڑی زبانوں کے خدوخال اور سامی زبانوں کی خصوصیات کا سندھی کے حدوخال اور خصوصیات کے ساتھ بھی تقابل کیا اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچے کہ ''موہن جو دڑو کی قدیم زبان ''سندھ'' یا ''سندھی'' تھی۔ اس زبان پر آریاؤں کی آمد سے پہلے پراکرتوں اور دراوڑی اور آمد کے بعد سنسکرت اور دیگر آریائی زبانوں اور پھر داردی اور اس کے بعد پالی زبانوں کے اثرات اسی تناسب سے مرتب ہوتے رہے ہیں، جس مناسبت سے انھیں سندھی کی دوستی حاصل رہی۔

اتنا عرصہ خودمختاری میں گذارنے اور اثرات کو اپنے پاس رکھنے کے باوجود سندھی نے، اپنا قدیم رنگ، خواہ اپنی غیر آریائی صوتی، صرفی اور نحوی ترتیب تبدیل ہونے نہیں دی۔

روسی اور فنس ماہرین نے قدیم آثار سے ملنے والی اشیاء کی عبارت سے کوئی سو کے قریب سندھی الفاظ بھی پڑھ لیے ہیں۔ جن کی صوتیات، ادائیگی اور معنی آج بھی سندھی میں مروج ہیں۔ اس

کے علاوہ عدد شماری، عدد قطاری، تجنیس، تذکیر و تانیث کی پہچان بھی کرلی ہے۔ اس مطالعے کے بعد انھوں نے سندھی زبان کو اس خطے کی اپنی اور اصلی زبان بتایا ہے جسے دیگر ماہرین نے "دراوڑی سے پہلے کی زبان" (Proto Dravidian) کا نام دیا تھا۔ (۳۹)

سندھی زبان پر تحقیق کرنے والے بعض جدید ماہرین نے مذکورہ رائے کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سندھی ایک خود مختار زبان ہے، جس کا جنم اس قدیم زبان سے ہوا ہے جو دراوڑ سے پہلے وادی سندھ میں رائج تھی۔" (۴۰) راقم الحروف بھی اپنے ایک تحقیقی مقالے میں اس بات کے حق میں منطقی انداز اختیار کرتے ہوئے ثابت کر چکا ہے کہ "سندھی کوئی باہر سے آنے والی زبان نہیں بلکہ سرزمین سندھ کی اپنی، اصلی اور فطری زبان ہے۔" (۴۱) اسے کسی وقت آریائی اور کسی وقت سنسکرت کی بیٹی کہا گیا ہے۔ کبھی مفروضے کی بنا پر یہ دراوڑی بنی اور کبھی اس نے پرووٹو دراوڑی نام حاصل کیا، لیکن ایک وقت آیا کہ اسے سامی زبانوں کی بہن بھی بتایا گیا۔ البتہ ڈاکٹر الانا نے سندھی (۴۲) اور بعض مستشرق ماہرین لسانیات نے اسے زبانوں کی انڈک (Indic) گروپ کا ایک سرگرم رکن ثابت کیا ہے۔ (۴۳) اس نے اپنے سارے نام اس طرح حاصل کیے ہیں جس طرح اس سرزمین کو سیراب کرنے والے دریاء کو کبھی سندھو، کبھی مہران اور کبھی انڈس (Indus) کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اس دریا کو یہ سب نام اس سرزمین کی نسبت سے ملے ہیں۔ یہاں رائج زبان کے نام سیاسی، مذہبی اور تاریخی حوالوں سے تبدیل ہوتے رہے ہیں، لیکن جب تک سندھ قائم ہے، سندھ تمدن تاریخ کا حصہ ہے، تب تک سندھی اپنے بولنے والوں کی پہچان بنی رہے گی اور پاکستان کو اس زبان کی ہمہ گیری، وسعت اور قدامت پر افتخار رہے گا۔

حوالہ جات

1. Richard Burton. *Sindh and the races that inhabit the valley of the indus*, 1850, P-385, Also see:- Gazetteer, Calcutta, 1908, Vol.22. P-406.

2. Schimmel, Annimari, *Sindhi Literature*. Germany, 1974. also see.

3. Schimmel. Annammare. Ernest Trumpp. *A Brief account if his life and works*. Karachi 1961.

4. Schimmel. Annammari. *Sindhi Literature*. Ibid.

5. Advani, Bheromal. M. *Sindhi Boli Ji Tarikh,* Hyderabad Sindh. 1972

6. Memon, Sirajul Haq. *Sindhi Boli,* Hyderabad Sindh, 1964

7. Chatterji, S.K, *Origin and Development of Bengali Language*. 1970, P-17

8. Qaleech Beg, Miraz. *Sindhi Viya Kiran,* Part III. Hyderabad, 1964.

9. Bloom Field, L. *Language*. Allen and Unwin Ltd. London, 1961, P-12.

10. *Sindhi Boli,* Ibid.

11. Grierson, *Linguitstic Survey of India*, Vol. I, Part 1. Culcatta, 1927 P-121

12. Picheil, R. *A Comparative Grammar of the Prakrit Languages*

Motilal Banarsides, Dilho, 1965, P-4.

13. Grierson - Ibid.

14. Grierson - Ibid.

15. Ghatterji, S.K. *Indo-Aryan and Hindi,* Gujrat Vernacular Society, Ahmedabad, 1942, P-60

16. Ghatterji, Indo Aryan, Ibid. P-55.

17. Nila Kanta, K.A. *A Comprehensive History of India,* Ibid Bombay, 957.

8. Bhuttacharyya, *The language and Script of Ancient India,* Ibid.

9. *The Ethnology, Languages, Literature and Religions of India,* Re-Printed from III edi: of the Imperial Gazetteer of India, 1907-09, Oxford, 1931, PP-357-58

0. Maulaee Sheedaee, Rahimdad. *Tamadon-i-Sindh,* sindh Uni. Press, 1959, P-16.

1. *Cambridge Hist of India,* Vol. I, Chepter, II, P-40.

2. Nadvi, Rashid Akhtar, *Pakistan ka Qadeem Rasmul Khat Aur uban.* National Instititute of History and Culture, Islamabad, 1995, P-194-95.

3. Ibid.

4. Holdich, Sir Thomas. *Gates of India,* P-144 with rof to Nadvi,

Rashid Akhtar, Ibid.

25. Holdich. *Gates to India,* P-202, With ref to Nadvi, Ibid.

26. Mockler, E. Major. *A Grammer of the Baloochee Language,* Honr S. King and Co, 1877 London, Introduction.

27. Farid Koti, Airı ul Haq. *Pre-Aryan Origins of Pakistan Lan-guage* Orient Research Centre, Tariq Colony, Multan, Road, Lahore.

28. Caldwell, Rev. Robert. *A Copmaraative Grammer of the Dravidia or South Indian family of Languages.* London. Triber and Co. Ludgat Hill. 1875.

29. Shirt, George. *Traces of a Dravidian element is Sindhi,* the India Antiquary, Vol. II, Dec. 1878.

30. Allana, Dr. Ghulam Ali. *Sindhi Boli Jo Bun Bunyad:* Zeb Ad Markaz. Hyderabad Sindh 1974, P-39

31. Pischil, Op. Cit. P-97. Also see Trumpp, E. *The Grammar of Sind Language,* F.A. Brokhans, Lepzing, 1872 Introduction.

32. Also see Beams. *John, A Comparative Grammar of Modern Arya Languages of India.* 1872,P-7.

33. Shirt, George, *Traces of a Dravidian element in Sindh*. The India Antiquary, Vol.II, 1878 Dec.

34. Shirt, G, *Traces of a Dravidian,* Ibid.

35. ابو اللیث صدیقی، جامع قواعد، مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۹۔

36. John Marshall, *Anuual report, Arcaeology Deparment of India,* 1926-27.

37. Baluch, Dr. Nabi Bux Khan, سندھی بولی اور ادب کی مختصر تاریخ Zeb Abdi Markaz, Hyderabab Sindh, 1980.

36. میمن عبدالمجید سندھی، سندھی بولی ءان جی تاریخ، سکھر ۱۹۶۷ء ص ۱، ۲۔ مزید ملاحظہ ہو اصلاحی، شرف الدین اردو سندھی کے لسانی روابط، لاہور ۱۹۷۰ء ص ۵۶۔

37. Asko Parpola. *Decipherment of the Proto-Dravidian Inscriptions of the Indus Civilization,* The Scandinavian Institute of Asian Studies, Copenhagen, 1969.

38. Jai Ram Das, D. *The ancestry of Sindhi,* Presented at all India Oriental Conference, New Dehli, Dec. 1957. P-58.

39. برڑو، غلام حیدر پاکستان جی زبانن میں سندھی زبان جی حیثیت، پی ایچ ڈی مقالہ (قلمی) سندھالوجی، جامشورو سندھ، ۱۹۸۰ء، باب دوئم۔

40. الانا، ڈاکٹر غلی علی، سندھی بولی جو بن بچاد، ایضاً

41. Beams, John, *An Outline of Indian Phonology,* II edi, London, 1962.P-2.

42. Mario Pei, *The Word's Chief languages,* III, edi. London, P-485.

43. Gleason, H.A. *An Introduction to Discriptive Linguistics. Revised edi. 1961, N.Y., PP 461-62.*